فروعی مسائل میں اختلاف فقہاء کے اہم اسباب کا تحقیقی مطالعہ

A research based study of the primary causes of differences of Jurists in subsidiary issues

Hafiz Muhammad Kashif
PhD Scholar, Department of Usool ul Deen, University of Karachi:
786kashif2015@gmail.com

Asad Lateef
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad Campus:
asadlateef20@gmail.com

Muhammad Sohail
PhD Scholar, Department of Usool ul Deen, University of Karachi:
sohailsafdar6388@gmail.com

Abstract

The Qur'an and Hadith are the main sources of Jurisprudence (Fiqh), in which the scholars have always agreed on the fundamental issues, however, the disagreement of the jurists in minor issues is an actuality, which is a source of mercy and convenience for the Ummah. And this difference in sub-issues is inevitable. There are many reasons for this, such as differences in recitation, lack of familiarity with the hadith of the Prophet, inconsistencies in the evidence of hadith, differences in understanding or interpretation of hadith, differences in determining the meanings of common words in the Qur'an and hadith, apparent contradictions in evidence and rules of principle are the main causes.However, the beauty of this difference is that despite this jurisprudential and sub-jurisprudential difference, the jurists used to fully respect the opinions of their opponents and value their arguments, because the basis of their differences was to express or oppose their superiority. There was no contempt or insult, rather, in their view, it was the achievement of the Ummah in fulfilling the orders of Allah and His Messenger. This difference is like flowers of different colors and fragrances placed in a bouquet, whose beauty is different. A bouquet with the same color and fragrance does not have the same beauty as in a colorful bouquet.

Keywords: *Quran, Hadith, Jurisprudence, Fundamental, Interpretation, Ummah*

تمہید:

قرآن وحدیث علم فقہ کے بنیادی ماخذ ہیں جن کے اصولی مسائل میں اہل علم ہمیشہ متفق رہے ہیں۔ علم فقہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے انسان کی شرعی معاملات میں باآسانی رہ نمائی کی جاسکتی ہے۔اس علم میں مہارت رکھنے والے شخص کو فقیہہ کہاجاتا ہے۔فقیہہ قرآن وحدیث کے گہرے مطالعہ کی بناءپر زمانے کے پیش آمدہ مسائل میں غوروخوض کرکے امت کی رہ نمائی کرتا ہے۔بعض اوقات فقیہہ کو اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوتی ہے تو کبھی ناکامی بھی،لیکن اس ناکامی پر اس فقیہہ کو موردالزام نہیں ٹھہرایاجاتا کیوں کہ قرآن وحدیث علوم ومعارف کے سمندر ہیں، جن میں ہر صاحب علم اپنے فہم کے مطابق غوطہ زن ہوتا ہے۔جب بھی کوئی صاحب علم قرآن وحدیث کے مفاہیم میں غور کرتا ہے تواس کے پیش نظر امت مسلمہ کی سہولت اور بہتری پیش نظر ہوتی ہے۔اس آرٹیکل میں ہم فقہاءامت کے فروعی مسائل کو حل کرنے کی کوششوں کاایک مطالعہ پیش کریں گے۔

سببِ اول: قرآتِ قرآن میں اختلاف:

فقہاء کے درمیان فروعی مسائل میں اختلاف کی ایک وجہ قرآن مجید کی ان قرآتوں کااختلاف بھی ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ سے ہم تک تواتر سے پہنچی ہیں۔اس کی چند صورتیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

وضوءمیں غسلِ رِجل یا مسحِ رِجل کی فرضیت میں اختلاف:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااِذَاقُمْتُمْ اِلی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْاوُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلی الْمَرَافِقِ وامْسَحُوْابِرُؤُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلی الْکَعْبَیْنِ"[1]

[1] المائدہ:٦

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیر و اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت دھوؤ۔

مشہور قراء میں سے عامر، نافع اور کسائی لفظ "ارجلکم" میں "لام" پر زبر پڑھتے ہیں۔ ابن کثیر، اور عَمرو سے جو قرآت منقول ہے اس میں لام کے نیچے زیر ہے۔ یہاں قرأت کے اس اختلاف سے فقہاء میں پاؤں دھونے اور مسح کرنے کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ جمہور علماء نے "لام" پر زبر کی قرأت کو اختیار کیا ہے۔ اس لیے جمہور علماء کی رائے میں پاؤں دھونا فرض ہے، مسح جائز نہیں ہے۔ جمہور علماء کے دلائل درج ذیل ہیں:

(الف) وہ احادیث جن میں حضور نبی اکرم ﷺ سے پاؤں دھونے کا حکم منقول ہے:

ان احادیث میں سے مشہور حدیث عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں حضور نبی اکرم ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ جب آپ ﷺ پہنچے تو نماز عصر میں تاخیر ہو چکی تھی۔[2] ہم وضوء کرتے تھے اور پاؤں پر پانی ملتے تھے۔ آپ ﷺ نے بلند آواز سے دو تین مرتبہ فرمایا "ویل للاعقاب من النار" (ہلاکت ہے ایڑیوں کے لیے آگ سے)۔

(ب) دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے عمل سے پاؤں دھونا اور موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے ہاتھ کہنیوں تک دھونے کی حد مقرر کی ہے اور پاؤں ٹخنے تک دھونے کی حد مقرر کی ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ پاؤں کو اس طرح دھونا فرض ہے جس طرح کہنیوں تک دھونا فرض ہیں۔

زیر کی قرأت کی تاویل:

جمہور علماء کی طرف قرأت کی تاویل کی جاتی ہے جس میں "لام" کے نیچے زیر ہے۔

ا۔ "ارجلکم" کا عطف "ایدیکم" پر ہے۔ زیر "رؤوسکم" کے قریب ہونے کی وجہ سے دی گئی ہے۔ عربی ادب

---

[2] نماز عصر میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ نماز آخری وقت میں ادا کی گئی۔

میں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ اس کا استعمال قرآن اور غیر قرآن دونوں جگہ ملتا ہے۔مثلاً قرآن مجید کی آیت:"يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنَ نَّارٍ وَّ نُحَاسٌ"[3] (تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا)۔میں "نحاس"پر معنی کے اعتبار سے پیش ہے کیونکہ نحاس کا معنی دھواں ہے۔لیکن "نار"کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے اس کی ایک قرأت زیر والی بھی منقول ہے۔

علامہ زمخشری نے اس عطف کا ایک دقیق نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر "زیر" والی قرأت کا اشکال پیش کیا جائے تو میرے پاس اس کا جواب یہ ہے کہ پاؤں کا شمار ان تین اعضاء میں ہو گا جنہیں دھونے کا حکم ہے چونکہ دیگر اعضاء کے دھونے میں پانی کے استعمال میں اسراف کا امکان تھا اور اسراف کی ممانعت ہے تو عطف اس عضو پر کر دیا گیا جس پر مسح کیا جاتا ہے۔ عطف اس لیے نہیں ہے کہ پاؤں پر بھی مسح کیا جائے بلکہ پانی کے استعمال میں توازن اور اعتدال کی ترغیب مقصود ہے۔

اس کا دوسرا جواب بھی دیا گیا ہے کہ "اِلَى الْكَعْبَيْنِ"میں "الی"غایۃ یعنی انتہاء بیان کرنے کے لیے ہے تا کہ کسی کو پاؤں پر مسح کے بارے میں غلط فہمی نہ ہو کیونکہ شریعت مطہرہ میں مسح کی حد کہیں نہیں بیان کی گئی۔[4]

شیعہ امامیہ فرقہ میں زیر کی قرأت کو لائق اعتماد سمجھا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پاؤں کا مسح فرض ہے۔"ارجلکم" پر زبر والی قرأت کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ یہ جار مجرور کا معطوف ہے یا یہ کہ "برؤوسکم"میں"باء"زائد ہے اور"ارجلکم"کا عطف"رؤوسکم" کے محل پر ہے۔

سببِ دوم حدیثِ رسول ﷺ سے عدمِ واقفیت:

صحابہ کرام میں بھی فرقِ مراتب تھا، سب ایک جیسے نہیں تھے اور سب یکساں طور پر حضور ﷺ کے

[3] الرحمٰن:۳۵

[4] زمخشری،ابوالقاسم محمود بن عمروبن احمد،(538ھ)الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل،ج1ص611،دارالکتاب العربی بیروت،1407ھ

قول یا فعل سے باخبر بھی نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ بعض کو صرف ایک یا دو احادیث معلوم تھیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب بات چیت کرتے یا فیصلہ دیتے یا کسی مسئلہ کا جواب دیتے یا کوئی بھی کام کرتے تو اسے سننے والے اور دیکھنے والے تو وہی صحابہ ہوتے جو اس مجلس میں موجود ہوتے تھے، پھر ان میں سے بعض اس بات کو آگے دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتے۔

اس طرح جب کسی دوسری مجلس میں آپ ﷺ کچھ ارشاد فرماتے یا آپ ﷺ کا کوئی عمل سامنے آتا یا کوئی مسئلہ بتاتے یا کوئی فیصلہ فرماتے تو بعض وہ صحابہ کرام جو پہلی مجلس میں موجود تھے وہاں حاضر نہ ہوتے اور کچھ دوسرے صحابہ کرام موجود ہوتے جو پہلی مجلس میں نہیں تھے پھر یہ دوسروں تک اس بات کو پہنچاتے پہلی مجلس کے شرکاء کو دوسری مجلس کے شرکاء کی احادیث کا علم نہ ہوتا اور دوسری مجلس کے شرکاء کو پہلی مجلس کے شرکاء کی احادیث کا علم نہ ہوتا۔ ہمارے علم کی حد تک کوئی صحابی ایسا نہیں ہے جس نے رسول اکرم ﷺ کی احادیث کا مکمل احاطہ کیا ہو خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کرام سے بھی بعض مسائل چھوٹ جاتے تھے، حالانکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے حالات اور دیگر امور سے باخبر رہتے تھے لیکن اس کے باوجود بعض معاملات سے لاعلم رہ جاتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق جیسے جلیل القدر صحابی جو سفر اور حضر میں کبھی آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتے تھے، بلکہ بیشتر وقت حضور ﷺ کی خدمت میں گزارتے اور رات کو بھی اہم معاملات سے متعلق گفتگو کے لیے حضور ﷺ کے پاس رک جاتے تھے ہاں یہی ابو بکر ہیں، جب ان کے دور خلافت میں ان سے "جدۃ" (دادی) کی میراث کا سوال کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ "کتاب اللہ میں تیرا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے اور نہ ہی سنت رسول ﷺ میں کوئی حصہ مجھے معلوم ہے اس سلسلے میں میں لوگوں سے دریافت کروں گا" جب ابو بکر صدیق لوگوں سے پوچھتے ہیں تو مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ فوراً اٹھ کر گواہی دیتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے "جدۃ" (دادی) کو چھٹا حصہ دیا ہے؛ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق اس کے مطابق فیصلہ دے دیتے ہیں۔

یہ دونوں صحابہ حضرت ابو بکر صدیق سے زیادہ حضور اکرم ﷺ سے وابستہ نہیں رہے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسے مسئلہ سے آگاہ ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق کے علم میں نہیں ہے اور حضرت ابو بکر صدیق کے

عہد سے آج تک امت مسلمہ متفقہ طور پر اس پر عمل پیرا بھی رہی ہے۔

اس حاملہ کی عدت جس کا خاوند انتقال کر جائے:

حضرت علی، ابن عباس اور دیگر بعض صحابہ کا فتوی یہ تھا کہ اگر کسی حاملہ عورت کا شوہر وفات پا جائے تو اسے وضع حمل یا عدت وفات میں سے جو مدت طویل تر ہو وہ گزارنا پڑے گی۔[5]

اس طرح وہ قرآن کریم میں مذکور دونوں آیات کے عموم پر عمل کرنا چاہتے تھے۔ وہ دو آیات یہ ہیں:

"وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا"[6]

تم میں سے جو لوگ مر جائیں، ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔

دوسری آیت: "وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمَلُهُنَّ"[7]

اور حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ ان کو وضع حمل ہو جائے۔

ان صحابہ کرام تک اسلمیہ کا وہ واقعہ نہیں پہنچ سکا تھا جس میں حضور ﷺ نے فتویٰ دیا تھا کہ اس کی عدت بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔ صحیح بخاری میں ام سلمیہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ابو اسلم کی سبیعہ نام عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ حاملہ تھی اسے ابو السنابک بن بعلک نے پیغام نکاح دیا تو اس نے ابو السنابک سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ ابو السنابک نے کہا اللہ کی قسم جب تک وہ عدتوں میں سے طویل عدت نہ گذار لے اس وقت تک کسی کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے۔ پھر جب تقریباً بیس دن کے بعد رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نکاح کر سکتی ہو۔ یہی روایت صحیح بخاری میں مسور بن مخرمہ سے بھی مروی ہے کہ سبیعہ کے شوہر کی وفات کے چند روز بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ حضور اکرم ﷺ

---

[5] رفع الملام، ابن تیمیہ (مجموع الفتاوی کے ضمن میں یہ بحث ہے) ۲۳۸:۲۰، اور مؤطا ۳۲:۲

[6] البقرہ: ۲۳۴

[7] الطلاق: ۴

کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور نکاح کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور اس نے نکاح کر لیا۔[8]

طوافِ وداع سے پہلے حائضہ کا رجوع:

حضرت زید بن ثابتؓ کا فتویٰ تھا کہ طواف سے پہلے عورت واپس نہیں ہو سکتی کیونکہ انہوں نے اس سلسلہ میں یہ قول سنا ہوا تھا کہ طواف وداع سے پہلے کوئی واپس نہ لوٹے۔ جب حضرت ابن عباس نے بتایا کہ حائضہ عورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور سنت رسول پیش کی تو زید نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔

امام شافعی نے طاؤس کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس کے ساتھ تھا، حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ کیا آپ یہ فتوی دیتے ہیں کہ حائضہ طواف وداع سے پہلے واپس ہو سکتی ہے۔ تو ابن عباس نے جواب دیا "میں نہیں کہتا" آپ فلاں انصاریہ عورت سے معلوم کر لیں کہ انہیں حضور اکرم ﷺ نے کیا حکم دیا تھا۔ زید بن ثابت ہنستے ہوئے واپس آئے اور کہا کہ آپ نے بالکل درست فرمایا تھا۔[9]

سببِ ثالث: ثبوتِ حدیث میں تردد:

جب صحابہ کرام کے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کی کوئی حدیث ذکر کی جاتی تو وہ اس کا ثبوت مانگتے ایسا نہیں تھا کہ بغیر ثبوت کے وہ فوراً عمل کے لیے دوڑ پڑتے ہوں۔ کیونکہ حدیث بیان کرنے میں کسی غلطی یا وہم کا بھی اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اگر حدیث کا ثبوت مل جاتا تو اس پر یقین کر لیتے اور عمل بھی کرتے ورنہ اس مسئلہ میں توقف اختیار کرتے یا جو دلیل راجح ہوتی اس پر عمل کرتے۔

وہ عورت جسے طلاق بائن ہو جائے اس کی رہائش اور خرچ کا مسئلہ:

مطلقہ بائنہ یعنی وہ عورت جسے طلاق بائن ہو جائے اس کا خرچ اور رہائش خاوند کے ذمہ ہے یا نہیں، یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان اختلافی ہے کہ آیا دونوں چیزیں خاوند پر واجب ہیں یا دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہے یا رہائش اور

---

[8] بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح: ۲، ۱۸۳، ۱۸۲، ۶۸:۶ دار طوق النجاۃ، مصر، 1422ھ

[9] الشافعی: محمد بن ادریس شافعی (متوفیٰ 204)، الرسالۃ: ۴۴۱

خرچ میں سے کوئی ایک چیز واجب ہے۔ حضرت عمر مطلقہ عورتوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کے عموم سے یہ استدلال کرتے تھے کہ بائنہ عورت کو رہائش اور خرچ دونوں ملیں گے۔ قرآن کریم کی آیت ہے:

"یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ"[10]

اے نبی ﷺ جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو عدت کے شروع میں طلاق دو۔ اور عدت کا شمار رکھو۔ اور خدا سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو۔ ایام عدت میں ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ وہ صریح بے حیائی کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ عورت کو رہنے کی سہولت دینا شوہر پر واجب ہے، جب طلاق دینے والے کے گھر میں اس کا ٹھہرنا ضروری ہے تو اس ٹھہرنے کی وجہ سے اس کا خرچ بھی واجب ہوگا۔ یہ بات اس آیت کے اقتضاء سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک یہ آیت طلاق رجعی والی عورت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر طلاق شدہ عورت کے حق میں ہے خواہ اسے طلاق بائن دی گئی ہو یا طلاق رجعی۔ حالانکہ حضرت عمر کو فاطمہ بنت قیس کی یہ حدیث پہنچ چکی تھی کہ انکے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دیں لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے رہائش دلائی اور نہ خرچ(11)۔اس حدیث کے ثبوت اور صحیح ہونے کے سلسلہ میں حضرت عمر مطمئن نہیں ہو سکے۔

امام مسلم ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں مسجد اعظم میں اسود بن یزید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ شعبی بھی تھے۔ شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی یہ حدیث نقل کی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے خرچ اور رہائش نہیں دلائی، اسود بن یزید نے ہاتھ میں کچھ کنکریاں لے کر ان کی طرف پھینکیں اور کہا تمہارا ناس

[10] الطلاق:۱

[11] صحیح مسلم:ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری(متوفیٰ261ھ)، کتاب الطلاق :۴، ۱۹۸،حدیث نمبر: ۱۴۸۰

ہو جائے اس طرح بیان کرتے ہو۔ "حضرت عمر نے تو کہا تھا کہ ہم اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ[12] کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں

کہ اس نے بات یاد رکھی ہے یا بھول گئی ہے، اسے نفقہ اور رہائش ملیں گے، ارشاد ربانی ہے:

"لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ"[13]

اگر شوہر کا انتقال بیوی سے مباشرت سے قبل ہو جائے اور مہر بھی مقرر نہ کیا گیا ہو تو کیا مہر واجب ہو گا؟

حضرت علی کا مذہب یہ تھا کہ اگر مباشرت سے قبل خاوند فوت ہو جائے اور مہر بھی مقرر نہ کیا گیا ہو تو عورت کو مہر نہیں ملے گا۔ جب معقل بن سنان اشجعی نے بتایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بروع بنت واشق کے حق میں فیصلہ دیتے وقت فرمایا تھا کہ اسے مہر مثل اور میراث دونوں ملیں گے اور یہ عدت بھی گزارے گی تو حضرت علی نے کہا کہ ہم قرآن و سنت کی مخالفت میں ایک ایسے دیہاتی کی بات قبول نہیں کر سکتے جو اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرتا ہے۔[14]

سببِ رابع: فہمِ نص اور تفسیرِ نص میں اختلاف:

بعض اوقات کتاب اللہ یا سنت رسول میں موجود کسی حکم کے مفہوم، مزاج اور روح کو سمجھنے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ہر شخص جس مفہوم کو شریعت سے زیادہ ہم آہنگ سمجھتا ہے اسی کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

مالِ مشترک کی زکوٰۃ:

اگر دو شخص مال کی ملکیت میں شریک ہوں اور ہر ایک کے پاس انفرادی طور پر مال نصاب زکوٰۃ سے کم ہو

---

[12] فتح الباری میں ہے کہ یہاں سنت رسول سے مراد وہ سنت ہے جس پر کتاب اللہ کے احکام رہنمائی کرتے ہیں، اس سے حضرت عمر کی مراد کوئی مخصوص سنت نہیں ہے۔ (فتح الباری، ۹:۳۸۹)

[13] الطلاق: ۱

[14] نیل الاوطار ۶: ۱۷۳

لیکن دونوں کا مال جمع کرنے سے وہ نصاب زکوٰۃ کی حد کو پہنچ جائے۔ تو ایسی صورت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ اشتراک نصاب پر بھی اثر انداز ہو گا۔ اور اس صورت میں دونوں پر زکوٰۃ واجب ہو گی یا نہیں۔

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ جب وہ شریک افراد پر زکوٰۃ واجب ہو تو دونوں ایسے زکوٰۃ ادا کریں گے جیسے ایک شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے بلکہ مجموعی تعداد (مالیت) پر واجب ہو گی بشرطیکہ وہ تمام شرائط مکمل ہوں جو اشتراک کے لیے طے کی گئی ہیں، شرائط یہ ہیں: مثلاً مال مویشی کی صورت میں دونوں کا پانی پلانے کا مقام ایک ہو۔ چراگاہ ایک ہو۔ باڑہ ایک ہو۔ دودھ دوہنے کی جگہ ایک ہو۔ صحیح قول کے مطابق بیاہنے والا نر ایک ہو اور مویشیوں کا چرواہا ایک ہو۔ اور صحیح قول کے مطابق مال کو مشترک رکھنے کی نیت کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

"منہاج" میں ہے کہ اگر شرکاء صاحب نصاب ہوں تو دونوں کے مجموعہ پر زکوٰۃ اسی طرح واجب ہو گی جیسا کہ ایک آدمی پر واجب ہے بشرطیکہ شراکت کی جملہ شرائط موجود ہوں یعنی پانی، چراگاہ، باڑہ، دودھ دوہنے کی جگہ ایک ہو۔ امام شافعی کے اصح قول کے مطابق بیاہنے والا نر ایک ہو یا مشترکہ ہو اور چرواہا بھی ایک ہو۔ البتہ شراکت کی نیت صحیح قول کے مطابق ضروری نہیں ہے۔ پھلوں، زرعی پیداوار اور سامان تجارت میں اشتراک زکوٰۃ میں اثر انداز ہو گا بشرطیکہ باغ بان، کھلیان، دوکان، چوکیدار اور پیداوار کو سٹور کرنے کی جگہ ایک ہو۔[15] حدیثِ مبارکہ ہے:

"لایجمع بین مفترق ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة، و ما کان من خلیطین فانهما یتراجعان بینهما بالسویة"[16]

متفرق مال کو جمع نہ کیا جائے اور اکٹھے مال کو جدا کر کے نہ بانٹا جائے اس نیت سے کہ زکوٰۃ میں کمی بیشی ہو اور جو مال دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو وہ برابری سے ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کر لیں۔

اس حدیث نبوی "لایجمع بین مفترق ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة" کی تشریح امام شافعی

---

[15] مغنی المحتاج: ۱،۳۷۸-۳۷۶

[16] صحیح بخاری اور دیگر حدیث کی کتب میں یہ روایت منقول ہے، دیکھئے: صحیح بخاری: ۲، ۱۲۲

نے اس طرح کی کہ اگر تین افراد ایک سو بیس بکریوں کے مشترک مالکان ہوں تو زکوٰۃ کی ادائیگی مجموعہ پر ہو گی یعنی ایک بکری لازم آئے گی اور جب تین افراد میں سے ہر ایک کے حصے یعنی چالیس بکریوں سے الگ الگ وصول کی جائے تو تین بکریاں وصول کی جائیں گی یعنی فی حصہ ایک بکری۔ اس صورت میں حکم (یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے ہدایت) یہ ہے کہ مجموعہ کو الگ نہ کیا جائے اس طرح ایک ہی بکری واجب ہو گی۔ حدیث میں بیان کردہ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر دو افراد میں سے ایک کے پاس سو بکریاں ہوں اور دوسرے کے پاس ایک سو ایک بکریاں ہوں تو مجموعہ پر تین بکریاں واجب ہوں گی اور الگ الگ دو دو بکریاں واجب ہوں گی۔ تو ہدایت یہ ہے کہ ان الگ الگ حصوں کو جمع نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک سے الگ زکوٰۃ وصول کی جائے۔ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے جو یہاں امام شافعی کا بیان ہوا ہے۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ اختلاط (یعنی مال اکٹھا ہو لیکن ملکیت الگ الگ ہو) کا نصاب زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ شراکت سے جتنی زکوٰۃ واجب ہو گی اتنی ہی شراکت کے بعد بھی واجب ہو گی۔ کسی شریک کے نصاب زکوٰۃ میں محض مال کے اکٹھا ہونے کی وجہ سے فرق نہیں پڑے گا۔ احناف مذکورہ حدیث "لایجمع بین متفرق" کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس مال مویشی کو ایک جگہ جمع نہ کرے جس کے الگ الگ ہیں۔ دو آدمیوں میں سے ہر ایک کے پاس چالیس چالیس بکریاں ہوں تو انہیں اس مقصد کے لیے جمع نہ کیا جائے کہ زکوٰۃ میں ایک بکری دی جاسکے، اسی طرح کسی ایک شخص کے پاس نصاب کی مقدار پہنچ جائیں تو وہ زکوٰۃ سے بچنے کے لیے الگ الگ نہ کرے۔ اور اگر کسی کی ملکیت میں اسی (۸۰) بکریاں ہیں تو اس سے دو بکریاں وصول کرنے کے لیے بھی الگ الگ نہ کیا جائے۔

سببِ خامس: اشتراکِ لفظ:

معانی پر دلالت کے اعتبار سے عربی میں لفظ کی متعدد اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک مشترک ہے پس مشترک وہ لفظ ہے جسے دو یا دو سے زیادہ معانی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ مثلاً "عین" عربی میں آنکھ، لڑکی، ہر موجودہ چیز، کسی پسندیدہ چیز، سونا، کسی ذات اور دیگر متعدد معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

لفظ "جون" سفید اور سیاہ "قرء" کا لفظ طہر اور حیض دونوں معنوں میں بولا جاتا ہے۔ لفظ "مولیٰ" مالک،

قریب، پڑوسی، حلیف اور اس کے علاوہ دیگر معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

طلاق یافتہ حائضہ عورت کی عدت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں مطلقہ حائضہ کی عدت تین قروء بیان فرمائی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ الْمُطَلَّاقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ"[17]

طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین قروء تک۔

اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ لفظ" قروء"حیض اور طہر دونوں معنوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے۔لسان العرب میں ابو عبید کا قول ہے:لفظ "قروء" حیض اور طہر دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔۔

لفظ"قروء" کے معانی اور مراد میں صحابہ کرام کے درمیان بھی اختلاف رہا ہے۔حضرت عائش، عبد اللہ ابن عمرو اور زید بن ثابت کے نزدیک اس سے مراد "طہر" ہے اور خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کرام کے نزدیک اس سے مراد "حیض" ہے۔

پہلے قول کو امام شافعی، امام مالک اور امام احمد (ایک روایت کے مطابق) نے اختیار کیا ہے اور دوسرے قول کو امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا ہے۔ہر فریق نے اپنے مسلک کے حق میں دلائل دیے ہیں۔

امام شافعی اپنی کتاب"الام" میں رقمطراز ہیں: ہمارے نزدیک"قروء"سے مراد طہر ہے۔اگر کوئی پوچھے طہر پر دلیل کیا ہے جب کہ دیگر فقہاء نے حیض بھی مراد لیا ہے۔تو جواب یہ ہے کہ طہر مراد لینے پر ہمارے پاس دو دلائل ہیں:

پہلی دلیل کتاب اللہ اور دوسری عربی لغت ہے۔کتاب اللہ میں ارشاد ربانی ہمارے حق میں دلیل ہے:

---

[17] البقرہ:۲۲۸

"اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ"[18]

جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت میں طلاق دو)۔

اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرو کی یہ حدیث نقل کی:

"قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فاذا طهرت فليطلق اوليمسک"

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب وہ پاک ہو جائے تو وہ اسے طلاق دے دیں یا روک لیں"۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی:

"اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لقبل عدتهن او فی قبل عدتهن"

یعنی اے نبی ﷺ جب آپ طلاق دیں تو ان کی عدت کے وقت میں دیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے کلام الٰہی کے ذریعے بتا دیا کہ عدت حیض نہیں بلکہ طہر ہے، پھر آپ ﷺ نے "فطلقوهن لقبل عدتهن" کی تلاوت فرمائی یعنی طلاق ایسی حالت میں دی جائے جب عورت حیض سے پاک ہو۔ اور اگر حیض کی حالت میں طلاق دی جائے تو عدت طلاق سے مؤخر ہو جائے گی اور اس وقت شروع ہو گی جب حیض ختم ہو جائے۔ اگر عربی لغت کے حوالے سے دلیل پوچھی جائے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ حیض سے مراد ہے جسے عورت کا رحم باہر پھینکتا ہے جب کہ حالت طہر میں خون نکلتا نہیں بلکہ رک جاتا ہے اور عربوں کی بول چال میں "قرء" بمعنیٰ "حیض" مشہور ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: "هو يقرى الماء فی حوضه و فی شعائه" (وہ اپنے حوض اور برتن میں پانی روکتا ہے یعنی جمع کرتا ہے)۔ "هو يقرى الطعام فی شدقه"[19] (وہ اپنے جبڑے میں کھانا روکتا ہے)۔

اس مفہوم کی تائید میں حضرت عائشہ کی ایک حدیث بھی ہے انہوں نے پوچھا کہ کیا تم قروء کا معنیٰ جانتے ہو اس کا معنیٰ طہر ہے۔[20] حضرت عائشہ کی ایک دوسری روایت ہے کہ حفصہ بنت عبد الرحمٰن کو جب تیسری مرتبہ

---

[18] الطلاق:1

[19] الشافعی:محمدبن ادریس شافعی (متوفی204) الام،۵: ۲۰۹

[20] مؤطا ،۲: ۵۷۶

حیض کا خون آیا اور اس کا ذکر عمرہ بنت عبد الرحمٰن سے کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ عروہ نے (جو حضرت عائشہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں) سچ کہا۔ جب لوگوں نے اس سلسلے میں بحث مباحثہ کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ثلاثۃ قروء کا ذکر فرماتے ہیں تو حضرت عائشہ نے کہا تمہاری بات درست ہے لیکن یہ بتاؤ کہ "اقراء" کا معنیٰ کیا ہے۔"اقراء" کا معنیٰ تو "طہر" ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ عورتیں اس سلسلے میں زیادہ بہتر جانتی ہیں کیونکہ یہ بیماری ان ہی کو لاحق ہوتی ہے۔

لغت سے دلیل:

امام شافعی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس آیت "ثلاثة قروء" میں عدد مؤنث ہے یعنی "تاء" کے ساتھ ہے اور عدد اسی وقت مؤنث ہوتا ہے جب معدود مذکر ہو۔ اس لیے طہر کا معنیٰ ہی مراد لیا جاسکتا ہے۔ اگر حیض مراد ہوتا تو "ثلاثة" میں "تاء" کو حذف کرنا واجب ہوتا۔[21]

قروء سے حیض مراد لینے والوں کے دلائل:

لغت کے لحاظ سے "قروء" طہر اور حیض دونوں معنوں میں مشترک ہے لیکن شریعت میں حیض کے معنیٰ میں یہ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ نسائی اور مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق جب نبی اکرم ﷺ سے استحاضہ کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے حیض کے ایام میں انتظار کرنا چاہیے اور نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "فتنتظر قدر قروءها التی کانت تحیض فلتترک الصلوٰۃ" (اسے چاہیے کہ ان ایام کا انتظار کرے جن میں اسے حیض آتا ہے۔ اور ان میں نماز چھوڑ دے)۔ جب یہاں ثابت ہو گیا تو قرآن مجید میں مذکور لفظ "قروء" سے حیض مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔ جب "قروء" سے مراد حیض لیا جائے تب ہی تین حیض پورے ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ مطلقہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ تین "قروء" انتظار کرے تو یہ بات اسی صورت میں مکمل ہوسکتی

[21] بداية المجتهد ٢: ٩٠

ہے کہ وہ تیسرا حیض مکمل کرے۔ لیکن جو لوگ "قروء" سے مراد طہر لیتے ہیں اس صورت میں ثلاثہ کا مفہوم پورا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں عدت دو مکمل طہر اور تیسرے طہر کا کچھ حصہ ہو گی۔ اس لیے وہ قول زیادہ بہتر ہو گا جس میں تین "قروء" مکمل ہو جاتے ہیں اور وہ حیض مراد لینے کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔

جن عورتوں کو حیض نہیں آتا ان کی عدت اللہ تعالیٰ نے مہینوں کی شکل میں ذکر کر دی اور مہینوں کو طہر کے قائم مقام نہیں بنایا بلکہ حیض کے قائم مقام بنا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالّٰئِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنَ نِّسَائِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتِهِنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ"[22]

وہ عورتیں جو اپنے حیض سے ناامید ہو جائیں تمہاری عورتوں میں سے اگر تمہیں شبہ رہ گیا تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لونڈی کے لیے دو طلاقیں ہیں اس کی عدت دو حیض ہے۔[23]

باوجود اس کے کہ اس پر اجماع ہے کہ لونڈی کی عدت آزاد عورت کی عدت کا نصف ہے تو ضروری ہے کہ آزاد عورت کی عدت بھی حیض ہی سے متعین ہو۔

اس اختلاف کے نتائج:

یہ محض لفظی نوعیت کا اختلاف نہیں ہے کہ اس سے صرف کسی معنیٰ کے اثبات یا عدم اثبات کا فرق پڑتا ہو بلکہ اس پر بہت سے مسائل کا انحصار ہے مثلاً:

عدت کے ختم ہونے کا وقت:

پہلا فریق جو "قروء" سے طہر مراد لیتا ہے اس کے نزدیک جب عورت تیسرے حیض میں داخل ہو گی تو عدت ختم ہو چکی ہو گی۔ کیونکہ تین طہر گزر چکے ہونگے۔ پہلا طہر وہ ہے جس میں طلاق ہوئی ہے دوسرا طہر وہ ہے جو پہلے اور دوسرے حیض کے درمیان ہے پھر تیسرا طہر وہ ہے جو دوسرے اور تیسرے حیض کے درمیان ہے، جیسے تیسرا

---

[22] الطلاق: ۴

[23] جامع ترمذی،،محمد بن عیسیٰ،ابوعیسیٰ،(متوفی:279ھ)السنن ،۱۱۸۲ ،دارالغرب الاسلامی،بیروت،1998ء

حیض شروع ہو گا تو عدت ختم ہو جائے گی۔ امام شافعی "الام" میں فرماتے ہیں "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب عورت تیسرے حیض میں داخل ہو جائے تو عدت سے فارغ ہو جاتی ہے"۔[24] اس مدت کی انتہاء بتیس دن اور ایک ساعت (گھڑی) بھی ممکن ہے مثلاً جس طہر کے آخر میں طلاق دی ہے وہ ایک طہر شمار ہو گا اس کے بعد پندرہ دن کے دو طہر اور ہر طہر سے پہلے ایک دن اور ایک رات حیض شمار کیا جائے تو بتیس دن اور ایک گھڑی وقت بنتا ہے۔

فریق ثانی کے نزدیک عدت کی مدت کا اختتام اس وقت ہو گا جب عورت چوتھے طہر میں داخل ہو گی۔ اس مسلک کے مطابق انتہاء مدت انتالیس دن اور ایک ساعت متصور ہو گی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جس طہر میں طلاق دی ہے اس کے بعد تین حیض شمار ہونگے جب کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اور طہر کی کم از کم مدت پندرہ دن ،اس طرح انتالیس دن اور ایک گھڑی بنتی ہے۔ جب چوتھا طہر شروع ہو گا تو عورت عدت سے فارغ ہو جائے گی۔

دوسرے خاوند سے شادی کی حلت و حرمت کا مسئلہ:

اس اصولی اختلاف کے نتیجہ میں اس مسئلہ میں بھی اختلاف پیدا ہوا کہ طلاق کے بعد اور دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح کب جائز ہے۔ پہلے فریق کے مسلک کے مطابق جب طلاق یافتہ عورت کا تیسرا حیض شروع ہو جائے گا اس کا دوسرے خاوند سے نکاح بھی درست ہو گا۔ امام شافعی نے "الام" میں ذکر کیا ہے کہ فضیل بن عبد اللہ نے قاسم بن محمد اور سلام بن عبد اللہ سے اس عورت کے متعلق دریافت کیا جسے طلاق کے بعد تیسرا حیض شروع ہو جائے، تو دونوں نے جواب دیا کہ عورت پہلے خاوند سے فارغ ہو چکی ہے اور دوسرے کے لیے حلال ہو چکی ہے۔

فریق ثانی کے مؤقف کے مطابق مذکورہ صورت ہی دوسرے خاوند سے عقد نکاح درست نہیں ہے۔ جب تیسرا حیض ختم ہو گا تو پھر دوسرے شوہر سے عقد نکاح کر سکے گی۔ جب تیسرا حیض مکمل ہو جائے تو آیا صرف خون بند ہونے سے عدت ختم ہو جائے گی یا نہیں۔ بعض کے نزدیک خون بند ہونے کے ساتھ عدت پوری ہو جائے گی اور

---

[24] الشافعی:محمدبن ادریس شافعی (متوفی204)الام :۵، ۲۰۹

بعض کے نزدیک جب تک ایک نماز کا وقت نہیں گزرے گا اس وقت تک عدت مکمل نہیں ہے۔[25]

سببِ سادس: تعارضِ ادلہ:

فقہاء کے درمیان اختلاف کا ایک سبب دلائل کا ظاہری تعارض بھی ہے۔ ظاہری تعارض اس لیے کہا کہ فی الحقیقت دلائل میں کہیں بھی تعارض نہیں ہے۔ اس لیے تمام دلائل کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ خواہ وہ دلائل قرآن مجید میں ہوں یا سنت رسول ﷺ میں۔

مہر کی کم از کم مقدار:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ مہر میں مال کی کم از کم اتنی مقدار کافی ہے جسے ثمن یا اجرت کا نام دیا جاسکے اور اپنی اس رائے پر انہوں نے سہل بن سعد کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک خاتون نے آکر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرنا چاہتی ہوں (یہ عرض کرنے کے بعد وہ کافی دیر تک) انتظار میں کھڑی رہیں۔ چنانچہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے مہر دینے کے لیے تمہارے پاس کچھ ہے۔ تو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس اس تہبند کے علاوہ کچھ نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ تہبند تو نے اسے دے دیا تو خود بغیر تہبند کے بیٹھے رہو گے۔ لہٰذا جاؤ اور کچھ نہ کچھ تلاش کرو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس نے تلاش کیا لیکن کچھ ہاتھ نہ آیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ کیا تجھے قرآن کا کوئی حصہ یاد ہے۔ تو اس نے چند سورتوں کے نام لے کر عرض کیا کہ یہ یہ سورتیں مجھے یاد ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کا جو حصہ تمہیں یاد ہے میں نے اس کے وعوض تمہارا اس سے نکاح کر دیا۔[26]

---

[25] بداية المجهد:۲، ۹۱

[26] اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب النکاح میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے اور امام مسلم نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کی دوسری دلیل عامر بن ربیعہ کی حدیث ہے کہ فزارہ کی ایک عورت نے جوتوں کے جوڑے کے بدلے میں نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ کیا تم اپنے اس فیصلے پر راضی ہو۔ جوتوں کا کیا کروگی۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں میں خوش ہوں تو آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی۔[27] چنانچہ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مہر کی کم از کم مقدار اتنا مال ہے جسے مال کا نام دیا جاسکے۔

احناف کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ ان کی دلیل حضرت جابر کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کا نکاح ولی کے علاوہ کوئی اور نہ کرے اور نہ ان کا نکاح غیر کفو میں کیا جائے۔ اور دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں۔[28]

فریق اول نے اپنی دلیل کو اس بناء پر راجح قرار دیا ہے کہ وہ صحیح سند سے مروی ہے جبکہ فریق ثانی نے اپنی دلیل کو اس بناء پر راجح قرار دیا ہے کہ قرآن مجید کی آیت مقدسہ "قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَاعَلَيْهِمْ فِيْ أَزْوَاجِهِمْ"[29] کی رو سے مہر شریعت کا حق واجب ہے۔ کیونکہ اس سے شرف نکاح کا اظہار ہوتا ہے لہٰذا مہر کی اتنی مقدار مقرر کی جائے جس کی کچھ نہ کچھ وقعت ہو۔[30] ابن وھب کے علاوہ دیگر مالکیہ کے نزدیک مہر کی مقدار چار سو یا چار سو سے زائد دینار ہے۔ مالکیہ تعیین مقدار میں مہر کو نصاب سرقہ پر قیاس کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ دونوں میں ایک عفو محترم کا ضیاع ہے۔[31]

سببِ سابع: عدمِ ورودِ نص:

---

[27] اس حدیث پاک کو امام احمد اور ابن ماجہ نے کتاب النکاح (۱۸۸۸) اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

[28] اس حدیث کو محدثین نے ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کی سند میں مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاۃ ہیں جو ضعیف ہیں، دیکھئے نصب الرایۃ: ۳،۱۹۶

[29] الاحزاب :۵۰

[30] شرح الهدايه :۲، ۴۳۶

[31] بداية المجهد :۲، ۲۰

جب کسی مسئلہ میں کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کا کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو یہ بھی فقہاء کے درمیان اختلاف کا سبب بن جاتا ہے۔ چونکہ یہ ثابت شدہ بات ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے تو اس وقت بھی کچھ مسائل ایسے تھے جن کی صراحت کتاب و سنت میں موجود نہیں تھی۔ واضح بات ہے کہ منصوص احکام محدود ہیں اور مسائل بے شمار ہیں۔ ان میں بعض ایک جیسے ہیں اور بعض مختلف قسم کے۔ کبھی کوئی ایسا نیا مسئلہ سامنے آتا جس کی نظیر دور رسالت میں بھی مل جاتی ہے تو اس کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔ کبھی اس کی کوئی نظیر دور رسالت میں بھی نہیں ملتی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق اکابر اور فقہاء صحابہ کرام کو جمع کر لیا کرتے تھے۔ جب کبھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو ان حضرات سے مشورہ فرماتے ہر ایک اپنی رائے دیتا یہاں تک وہ کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے اور فیصلہ صادر فرمادیتے خواہ یہ فیصلہ قیاس سے ہوتا یا کسی اور مصلحت کی بنیاد پر یا کسی اور دلیل کی بنیاد پر بہر حال جب یہ فقہاء صحابہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو فیصلہ دے دیا جاتا۔

میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ: حضرت ابو بکر صدیق کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو وہ سب سے پہلے اس کا حل کتاب اللہ میں تلاش کرتے اگر کتاب اللہ سے نہ ملتا لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کی کوئی حدیث علم میں ہوتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور جب کوئی حدیث بھی علم میں نہ ہوتی تو دیگر مسلمانوں سے دریافت کرتے اور فرماتے کہ میرے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا ہے کیا آپ میں سے کسی کے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں کوئی حکم دیا ہو۔ بسا اوقات حاضرین میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی جو یہ گواہی دیتے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس مسئلے کا یہ حکم اس طرح منقول ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں: "تمام تعریفیں اس رب کریم کے لیے ہیں جس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کئے جنہوں نے ہمارے نبی ﷺ کے علم کو یاد رکھا"۔ اگر سنت رسول ﷺ میں حل نہ ملتا تو کبار صحابہ اور فقہاء کرام کو جمع کر کے مشورہ کرتے، جب کسی معاملہ پر متفق ہو جاتے تو حضرت ابو بکر صدیق فیصلہ دے دیتے۔[32]

---

[32] اختلاف الفقہاء، استاذ علی الخفیف :۱۷

یہی وجہ ہے کہ کسی مسئلہ میں "نص" نہ ملنے کی وجہ سے بھی بہت سے مسائل میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا اور یہی نکتہ اختلاف کا ایک بڑا سبب رہا ہے۔ ان اختلافات میں سے چند اہم اختلاف یہاں بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں:

وہ مطلقہ جس سے دوران عدت دوسرا شوہر نکاح کے بعد جماع کرلے، اس سے نکاح کی دائمی حرمت کا بیان:

حضرت عمر کے عہد خلافت میں ایک عورت نے دوران عدت شادی کرلی تو حضرت عمر نے دُرے لگائے اور ان کے درمیان تفریق کردی۔ آپ نے فرمایا جو عورت دوران عدت نکاح کرے اور شہر ثانی سے جماع نہ کیا ہو تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے اور پہلے شوہر کی بقیہ عدت گزارے۔ پھر اس سے جو نکاح کرنا چاہتا ہے وہ پیغام نکاح بھیج سکتا ہے۔ البتہ اگر جماع بھی کرلیا تو دونوں میں تفریق کی جائے گی پھر عورت پہلے شوہر کی بقیہ عدت گزارے گی اور پھر دوسرے شوہر کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شوہر اس سے کبھی نکاح نہیں کرسکے گا۔

حضرت علی کا موقف یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں جب پہلے خاوند کی عدت ختم ہوجائے گی تو عورت سے دوسرا شخص چاہے تو نکاح کرسکتا ہے۔ چنانچہ وہ عورت جس سے دوران عدت نکاح کیا گیا ہو اور دوسرے شوہر نے عدت کے دوران جماع بھی کرلیا ہو تو اس شوہر کے ساتھ مذکورہ عورت کے نکاح کی ابدی حرمت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

کسی ایک فریق کے پاس کتاب وسنت کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو اس کی تائید کرے۔ البتہ حضرت عمر ایسے شوہر کے خلاف تادیبی کارروائی کے طور پر فیصلہ دیتے ہیں کہ وہ عورت جس سے دوران عدت نکاح ومباشرت کی گئی ہے، تفریق کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شوہر ثانی کے لیے حرام ہوجائے گی۔ جب کہ حضرت علی عموم کا اعتبار کرتے ہیں کہ چونکہ پہلے شوہر کی عدت ختم ہونے کے بعد وہ کسی سے بھی نکاح کرسکتی ہے لہٰذا دوران عدت نکاح کرنے والے سے بھی نکاح کرسکتی ہے۔[33]

[33] الشافعی:محمدبن ادریس شافعی (متوفی204)الام : ۵، ۲۱۴

سببِ ثامن: قواعدِ اصولیہ میں اختلاف:

اصولی قواعد سے مراد وہ بنیادی قواعد ہیں جنہیں مسائل کے استنباط کے وقت ایک مجتہد مد نظر رکھتا ہے اور انہی قواعد پر وہ اپنے مسلک کی تعمیر کرتا ہے۔ اور مجتہد جب کوئی مسئلہ مستنبط کرتا ہے تو اس کا یہ استنباط انہیں قواعد کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔ تو چونکہ یہ اصولی قواعد ہر مجتہد کے مختلف ہوسکتے ہیں لہٰذا اس اختلاف کے نتیجہ میں فروعی مسائل میں اختلاف ناگزیر ہے۔

خلاصہ کلام:

فقہاء کرام کے درمیان جو کچھ اختلاف پایا جاتا ہے ان کی مختلف وجوہات ہیں، کبھی کسی فقیہ تک حدیث پہنچی تو کبھی کسی تک نہ پہنچ سکی۔ کبھی کسی نے حضور ﷺ کے عمل کو وجوب پر محمول کیا اور کسی نے استحباب و اباحت پر، کبھی روایات کا اختلاف اور کبھی راویوں کا وہم، کبھی علت و اسباب کی تعیین میں اختلاف، کبھی کسی لفظِ مشترک کی تعیین میں اختلاف جیسے قرآن کے لفظ قروء میں امام ابو حنیفہ نے قرء کا معنیٰ حیض اور امام شافعی نے طہر مراد لیا ہے۔

اسی طرح کسی حدیث کو قبول کرنے اور نہ کرنے میں اصولی اختلاف اور کہیں نسخ میں اختلاف، مگر فقہاء کرام کے اس فقہی اور فروعی مسائل میں اختلاف کے باوجود باہمی رویہ جدل و نزع، جزبہ برتری یا دوسروں کے لئے تحقیر کی نیت ہر گز نہ ہوتا۔

یہ فقہاء کرام اپنے مقابل فقیہ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے نہ صرف یہ بلکہ ان کے دلائل کے بھی قدر کرتے۔ امام ابو حنیفہ اہل مدینہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف کے باوجود ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، امام شافعی نے فجر کی نماز امام ابو حنیفہ کی قبر کے قریب پڑھی تو دعا قنوت نہ پڑھی اور کہا مجھے اس قبر والے کی مخالفت کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، اسی طرح امام ابو یوسف کا بعض مسائل میں امام مالک کی رائے پر عمل کرنا، یہ باہم اختلاف مخلصانہ تھے۔ اس تحریر میں فقہا کرام میں باہمی فروعی اختلاف کے اہم اسباب کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔